حضرت مولانا قاری خلیل احمد بندھانی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبد الصمد

(کچھ یادیں)

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سکھر کے مرکزی راہنما‘ مجلس شوریٰ کے رکن رکین، جامع مسجد سکھر کے خطیب، جامعہ اشرفیہ سکھر کے ناظم اعلیٰ، استاذ العلماء، محبوب الطلباء، اہلیانِ سکھر کی ہر دل عزیز شخصیت شیخ الحدیث و التفسیر حضرت مولانا قاری خلیل احمد بندھانی صاحب نور اللہ مرقدہٗ ۲۴ رفروری ۲۰۱۵ء بروز منگل بعد نماز عشاء ۱۱:۳۰ بجے رات ایک کار حادثہ میں لاکھوں عقیدت مندوں کو سوگوار چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون۔

میرا تعلق حضرت قاری صاحب سے زمانۂ طالب علمی اور زمانۂ تدریس میں کافی رہا ہے، اس لیے قاری صاحب کی زندگی کے متعلق چند سبق آموز واقعات یہاں لکھتا ہوں:

درجہ اولیٰ بندہ نے جامعہ اشرفیہ سکھر میں پڑھا، نحو میر جس استاذ کے زیر درس تھی وہ استاذ بہت ہی محنتی و جفاکش اور پڑھانے کا حق ادا کرنے والے تھے۔ ہر درجہ میں اعلیٰ، متوسط اور غبی طلبہ ہوتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ استاذ کا سبق تمام درجہ کے تمام طلبہ کو سمجھ آجائے یہ ضروری نہیں ہے، بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ اعلیٰ ذہن کے طلبہ سبق سمجھ جاتے ہیں اور متوسط ذہن کے طلبہ کشمکش کا شکار ہوتے ہیں اور غبی ذہن کے طلبہ بالکل ہی سبق نہیں سمجھتے۔ ہمارے نحو میر کے سبق میں کچھ طلبہ احساسِ کمتری کا شکار ہوئے، انہوں نے ایسی گیم کھیلی کہ دوسرے طلبہ بھی ان کے ہم نوا بن گئے اور اکٹھے ہو کر حضرت قاری خلیل احمد بندھانی صاحب کے پاس دفتر میں چلے گئے اور شکایت کر دی کہ ہم کو سبق سمجھ نہیں آتا، لہٰذا ہمارے سبق کا بندو بست کیا جائے اور استاذ تبدیل کیا جائے۔ اس موقع پر حضرت قاری صاحب نے جس حکمت و بصیرت سے کام لیا وہ انہی کا حصہ تھا، اس وقت سب کی پوری بات سن لی اور سب کو اگلے وقت کے انتظار کا کہہ کر فی الحال روانہ کر دیا اور خود تنہا ہر ایک طالب علم کو مختلف اوقات میں بلاتے رہے اور جو کچھ نحو میر پڑھی تھی، اس میں سے سوال کرتے رہے۔ جب سب سے خود امتحان لے لیا، اس کے بعد سب کو اکٹھے بلایا اور ہر

ایک کو کہا کہ میں نے تمہارا امتحان لیا اور تم نے جو جواب دیا ہے وہ درست جواب دیا ہے۔ جب آپ جوابات درست دے رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ آپ کو استاذ صحیح پڑھاتا ہے، مجھے یہ لگتا ہے کہ تم احساس کمتری میں مبتلا ہو، اس کا علاج استاذ کی تبدیلی نہیں ہے، بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ اللہ پاک کی طرف رجوع کرو اور مزید محنت کرو، ان شاء اللہ! تمہاری یہ شکایت دور ہو جائے گی اور ہوا بھی ایسا ہی۔قربان جائیے قاری صاحب کی حکمت و بصیرت پر کہ استاذ کا وقار بھی برقرار رکھا اور طلبہ کو ایسا مطمئن کیا اور احساس دلایا کہ غلطی تمہاری ہے اور ہمیشہ ہمیشہ استاذ کی بددعا سے ایسا بچایا کہ استاذ کو اس بات کا پتہ بھی نہیں لگنے دیا۔ اب تو بس دل سے یہ دعا نکلتی ہے کہ قاری صاحب غریق جنت ہوں۔

جامعہ اشرفیہ سکھر میں جب درجہ ثانیہ عامہ کا سالانہ امتحان وفاق المدارس العربیہ کے تحت دے کر فارغ ہوا تو معلوم ہوا کہ آئندہ سال سے جامعہ اشرفیہ سکھر میں شیخ الحدیث کے عہدے پر جامع المنقول والمعقول فاضل دیوبند دارالہدیٰ ٹھیڑی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالھادی میمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ براجمان ہوں گے۔ مولانا عبدالھادی رحمۃ اللہ علیہ کا اندرون سندھ میں تدریسی اور علمی مقام ومرتبہ اور بزرگی کے حوالے سے ایک بڑا درجہ تھا اور خاصی شہرت حاصل تھی، اس لیے جامعہ کے تمام طلبہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ میں نے اس سے قبل مولانا صاحب کے ساتھ ملاقات تو درکنار نام بھی نہیں سنا تھا۔ اللہ رب العزت نے توفیق بخشی کہ میں نے دعا کی: اے اللہ! اس عاجز کو ان کی خدمت کی توفیق بخش اور خدمت کا موقع نصیب فرما۔ یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ میں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک جنازہ ہے، لوگ جنازہ کو اٹھا کر لے جارہے ہیں، لیکن زمین سے آگ نکل رہی ہے اور بڑھتی جارہی ہے، کسی نے کہا کہ آگے ایک بزرگ بیٹھے ہیں، ان سے دعا کرائیں، چنانچہ جب آگے گیا تو ایک سفید ریش بزرگ مراقبہ میں تشریف فرما ہیں، چنانچہ ان کو دعا کے لیے کہا گیا، انہوں نے دعا فرمائی تو آگ آہستہ آہستہ زمین بوس ہوگئی۔ اس بزرگ کا نقش میرے دماغ میں ہو بہو موجود تھا، بہرحال سالانہ تعطیلات ختم ہوگئیں، ۱۰ رشوال المکرّم کو داخلہ کے لیے حاضر ہوا، جب دارالحدیث کے سامنے گزرا تو وہی شکل وصورت جو خواب میں دیکھی تھی' عالم بیداری میں سامنے موجود تھی۔ دارالحدیث کے اندر داخل ہوا، مصافحہ کیا اور بیٹھ گیا، اتنے میں حضرت قاری خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ بھی تشریف لائے اور ساتھ ہی بیٹھ گئے۔ مولانا عبدالھادی رحمۃ اللہ علیہ سے حال احوال ہوا تو مولانا عبدالھادی صاحبؒ نے فرمایا کہ: میں بوڑھا آدمی ہوں، چلنے میں عصا کے ساتھ ساتھ ایک اور سہارے کا محتاج ہوں، نیز کھانا کھلانے، کپڑے دھونے، مسجد لے جانے اور لے کر آنے کے لیے بھی کسی سہارے کا محتاج ہوں، لہٰذا کسی طالب علم کو میری خدمت کے لیے مقرر فرمادیں۔ حضرت قاری صاحب نے میری طرف شفقت بھری نظروں سے دیکھا اور فرمایا کہ یہ آپ کی خدمت کرے گا۔ بندہ تو پہلے ہی تیار تھا، پھر حضرت قاری صاحب کے انتخاب نے اس میں روح بھر دی۔ اللہ پاک نے خدمت کا موقع دیا، آج جب وہ منظر سامنے آتا ہے تو دل سے

www.banuri.edu.pk

حضرت قاری صاحب کے لیے دعا نکلتی ہے۔ ان کے اس انتخاب نے کیا رنگ بھر دیا، اس انتخاب کی وجہ سے آج تدریس کے ساتھ منسلک ہوں۔

چند دن گزرے تھے کہ حضرت مولانا قاری محمد اسماعیل میمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (گول مسجد والے) حضرت مولانا عبدالهادی صاحب کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ قاری خلیل احمد صاحب سے میری ملاقات ہوئی تھی اور قاری صاحب ادب کی وجہ سے آپ سے جامعہ کے ایک اصول کے بارے میں بات نہیں کر پا رہے ہیں اور مجھے فرمایا کہ آپ حضرت صاحب سے میری طرف سے گفتگو کریں اور ان کو جامعہ ہٰذا کا ایک اصول بھی بتا دیں کہ جامعہ ہٰذا میں جو استاذ جامعہ کے مطبخ سے کھانا کھاتا ہے، اس کو ماہانہ کچھ رقم جو جامعہ ہٰذا کی طرف سے مقرر ہے وہ تنخواہ میں سے کٹوتی کروانی پڑتی ہے۔ اب آپ بتائیں کہ آپ کا اس بارے میں مشورہ کیا ہے؟ مولانا عبدالهادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو جامعہ کا اصول ہے، میں اس سے اتفاق کرتا ہوں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت قاری صاحب کے دل میں اساتذۂ کرام خصوصاً بڑے اساتذہ کرام کے بارے میں کتنا ادب واحترام تھا۔ کاش! ہمیں بھی ایسا ادب واحترام نصیب ہو۔ قاری صاحب نے اس طریقہ کار سے جامعہ کا اصول وضابطہ بھی برقرار رکھا اور بڑوں کے ادب کا تقاضا بھی پورا کیا۔

میرے محراب پور کے ایک ساتھی کی شادی سکھر میں ہوئی اور بچے بھی ہوگئے، میاں بیوی میں اَن بَن ہوئی، بات طلاق تک پہنچی اور طلاق ہوگئی۔ والد کا اپنی اولاد سے محبت کرنا ایک فطری امر ہے۔ ان کی بیوی‘ بچے اپنے ساتھ لے گئی، جب کبھی اس کو اپنی اولاد کی محبت ستاتی تو میرے پاس آتا کہ سکھر شہر میں قاری خلیل احمد صاحب کا اثر ورسوخ کافی زیادہ ہے اور آپ کے استاذ ہیں، لہٰذا آپ میرے ساتھ چلیں، بہرحال ایک دن سکھر حضرت قاری صاحب کے پاس جانے کے لیے دن مقرر کرلیا اور وہاں پہنچے تو حضرت قاری صاحب نے پرتپاک استقبال کیا اور اکرام سے نوازا، حال احوال ہوا، قاری صاحب نے اس کا حل بھی بتادیا، ملاقات نہیں ہوئی، ہم محراب پور واپس آگئے۔ حضرت قاری صاحب کو اس احوال کی اطلاع بھی نہ کرسکے، کچھ ماہ کے بعد حضرت قاری صاحب کا محراب پور آنا ہوا، جیسے ہی میری ملاقات ہوئی فوراً پوچھا اور کہا کہ آپ نے اطلاع تک نہیں دی اور آپ کو اطلاع دینی چاہیے تھی، بندہ کو شدید احساس ہوا اور اپنی کوتاہی غلطی پر نادم بھی ہوا اور آئندہ کے لیے سبق بھی مل گیا۔ اتنے مصروف ترین آدمی جن سے روزانہ بے شمار لوگ اپنے مسائل حل کرواتے ہوں، ان کو کئی ماہ گزرنے کے باوجود وہ بات یاد ہے اور یہ یاد وہی رکھ سکتا ہے جس کے دل میں انسانوں کی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ ہر جمعہ کی رات بعد نمازِ عشاء بزم میں تشریف لاتے اور تمام طلبہ کی تقاریر خود سنتے۔ آپ خود بھی خطیب تھے اور فنِ خطابت کے رموز، اتار چڑھاؤ پر کافی دسترس حاصل تھی، اس لیے آخر میں ہر طالب علم کی اصلاح فرماتے، اندازِ تقریر بیان فرماتے، حتیٰ کہ الفاظ کی

ادائیگی اور الفاظ کے محل وقوع بھی بتا دیتے کہ فلاں جگہ اس انداز سے بات کرنی ہے اور اِن اِن الفاظ کو ادا کرنا ہے۔ کیا ہی عجب مرد تھے! حضرت قاری صاحب کے اس انداز تربیت سے بہت سے طلبہ میدانِ خطابت کے شہ سوار بنے۔ جس طرح ہر شاگرد کو اپنے استاذ سے قلبی تعلق ہوتا ہے، اسی طرح ہر استاذ کو اپنے شاگرد سے قلبی تعلق ہوتا ہے، حضرت قاری صاحب میں میں نے یہ وصف بہت ہی زیادہ پایا، جب کبھی کوئی شاگرد ملاقات کے لیے حاضری دیتا تھا تو آپ کا اخلاق کریمانہ ایسا ہوتا تھا کہ شاگرد موم ہو جاتا اور دوبارہ ملاقات کی طلب و آرزو لے کر رخصت ہوتا۔ ہر استاذ اپنے شاگرد پر ایسے شفیق ہوتا ہے جیسے اپنی اولاد پر۔ کبھی کبھار شاگرد اپنے استاذ سے بے تکلف ہو کر بھی گفتگو کرنے کا انداز اپناتا ہے، چوں کہ حضرت قاری صاحب پر جمال کا غلبہ تھا، ایک بار میں نے درجہ خامسہ کے تفسیر کے سبق میں کہہ دیا کہ استاذ جی! سبق کی رفتار بہت کم ہے، منزل دس پارہ ہے، یہ کب پورے ہوں گے؟ اور آپ کی مصروفیت بھی بہت ہے۔ آپ نے توجہ سے بات سن کر مسکرا دیا اور فرمایا: ان شاء اللہ! وقت مقررہ پر منزل پر پہنچیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کی زندگی کی جمیع حسنات کو قبول فرما کر نجات کا ذریعہ بنائے اور سیئات سے عفو و درگزر کا معاملہ فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور درجات کو اللہ پاک اپنی شان کے مطابق بلند سے بلند عطا فرمائے۔ آمین

www.banuri.edu.pk